مفتی محمد شاہد

# حضرتِ شیخؒ اور تبلیغی کام

دعوت وتبلیغ کے نام سے معروف عمل جس کی کرنیں آج چار دانگ عالم میں پھیل چکی ہیں، خواص وعوام پر پوشیدہ نہیں۔ عیاں راچہ بیان کے مصداق نہ کسی تعارف وبیان کا محتاج اور نہ اس کے مثمر وسودمند ہونے میں کسی کو تردد۔ انگلینڈ سے جاپان تک، امریکہ سے افریقہ تک، جزیرہ فیجی سے یوگوسلاویہ تک، ہر زبان، ہر رنگ، ہر نسل اور ہر خطہ کے لوگ سروں پر بستر اٹھائے، زبانوں پہ ذکر وتسبیح، دلوں میں حرارت عشق اور امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ وتحیۃ کا غم لئے ایثار وقربانی کے جذبات سے معمور قرن اول کے اس ہیرے کو سینے سے لگا کر راہ خدا میں در بدر ٹھوکریں کھاتے ملیں گے۔

اس دعوت نے اگر ایک جانب میواتیوں جیسی ہندووانہ رسوم واخلاق کی وادیوں میں بھٹکنے والی قوم کو عارفین کی صف میں لا کھڑا کیا تو دوسری طرف اہل مغرب کو ورطۂ حیرت میں ڈالتے ہوئے ان کے ایوانوں کو متزلزل کر کے رکھ دیا۔ اسلام کے خلاف اس کی اسکیمیں فیل ہونے لگیں، متعدد گرجا گھر مسجدوں میں تبدیل ہو گئے، داعیانِ تثلیث نے صلیبیں اتار پھینکیں اور دعوت اسلام کو لے کر پھرنے لگے، اپنا مخصوص لباس جو آج مسلمانوں کے لئے باعث فخر ہے اتار کر سروں پر عمامے اور جسموں پر لمبے کرتے زیب تن کئے۔ چہروں پر سنت نبوی کے آثار نظر آنے لگے اور اس کی برکت سے اسلام کی حقیقی زندگی میں انہیں اطمینان وسکون اور اپنی ہر دو عالم کی فلاح وکامرانی نظر آنے لگی، اس امر نے اہل عرب کی غیرت کو بھی للکارا اور وہ ھذہ بضاعتنا ردت الینا پکارتے ہوئے اپنی ہر قسم کی آسائشوں کو چھوڑ کر اللہ کے راستے میں نکل کر کھڑے ہوئے۔

ان ثمرات وبرکات میں اگر ایک جانب عامۃ المسلمین کی قربانیاں ہیں تو دوسری طرف خواص امت، علماء وصلحاء، اہلِ قلوب وبصیرت کی توجہ ودعا اور ان کی تائید وحمایت کو بڑا دخل ہے۔ چنانچہ بانی دعوت وتبلیغ مولانا

محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداءً یہ کام اہلِ بصیرت علمائے کرام کے سامنے پیش کیا‘ ان کی توجہات، تائیدات کے حصول کی پوری کوشش فرمائی تاکہ ”مارأہ المؤمنون حسنا فھو عنداللہ حسن“ کے مصداق یہ کام بارگاہ رب العزت میں شرفِ قبولیت حاصل کرکے امت کے لئے رشد وہدایت کا باعث بنے۔ چنانچہ مولانا علی میاں صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

”اس سلسلہ میں آپ نے میواتیوں کی جماعتیں دیوبند، سہارنپور، رائے پور، تھانہ بھون کے اطراف و اکناف میں بھیجنا شروع کیں اور انہیں ہدایت فرمائی کہ بزرگوں کی مجلس میں تبلیغ کا ذکر نہ کریں‘ پچاس ساٹھ آدمی ماحول کے دیہاتیوں میں گشت کریں‘ آٹھویں روز قصبہ میں جمع ہوجایا کریں‘ پھر وہاں سے دیہات کے لئے تقسیم ہوجائیں۔ حضرات اکابر کی طرف سے اگر پوچھا جائے تو بتادیا جائے‘ ورنہ خود ذکر نہ کیا جائے“۔

چنانچہ تھانہ بھون کے اطراف میں جب اس طریق پر کام شروع ہوا تو اطراف کے لوگ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آکر جماعتوں کے احوال ذکر کرتے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی محتاط و دوررس طبیعت اس کی طرف غیر مطمئن تھی کہ کہیں اس طریقہ سے کوئی بڑا فتنہ نہ ہو اور انہیں یہ شبہ تھا کہ جب علماء وفضلاء کو تبلیغ میں کما حقہ کامیابی نہیں ہوتی‘ بلکہ روز بروز فتنے بڑھتے چلے جاتے ہیں تو یہ جاہل میواتی بغیر علم وتربیت کے اتنا نازک کام کیسے کریں گے؟ لیکن ان میواتیوں کے عملی کام اور قرب وجوار کی متواتر خبروں اور تصدیقوں سے اور پھر ان کی آمد کی برکات کو خود ملاحظہ فرمانے سے حضرت کو اطمینان ہوا۔

چنانچہ ایک موقعہ پر جب حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرز کے متعلق کچھ گفتگو کرنی چاہئے تو حضرت نے فرمایا کہ: دلائل کی ضرورت نہیں، دلائل تو کسی چیز کے ثبوت وصداقت کے لئے پیش کئے جاتے ہیں‘ آپ نے تو ماشاء اللہ یاس کو آس میں بدل دیا۔ ایک بے اطمینانی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ تھی کہ یہ لوگ بغیر علم کے فریضۂ تبلیغ کیسے انجام دے سکیں گے‘ جب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جنہیں حضرت نے ان کے احوال کی تحقیق کے لئے متعین فرمایا تھا نے بتایا کہ یہ مبلغین سوائے ان چیزوں کے جن کا انہیں حکم ہے اور کسی چیز کا ذکر نہیں کرتے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو مزید اطمینان ہوا“۔

(ماخوذ از مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت، ص:۱۲۵)

ایک پرانے تبلیغی بزرگ راوی ہیں کہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مولانا نے جب اس کی تصدیق چاہی اور تفصیل عرض کی تو آپ نے فرمایا: کام تو بہت اونچا ہے، لیکن کرے گا کون؟ یہ سن کر مولانا واپس تشریف لائے اور ایک عرصہ تک جماعت کے نکلنے کا انتظار کرتے رہے‘ جب میواتیوں کی جماعت نظام الدین پہنچی تو انہیں سب سے پہلے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دعا کے لئے بھیجا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ انہیں دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ: اب کوئی کیا کہے گا۔ جماعت نے واپس جاکر جب مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ نقل کئے تو مولانا فرطِ مسرت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بار بار یہ الفاظ دہرائے۔ ''اب کوئی کیا کہے گا، اب کوئی کیا ہے گا۔'' اسی طرح حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب، رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہ العالی نے بھی نہ صرف اس کی تائید فرمائی' بلکہ نظام الدین بھی تشریف لائے۔ جس سے مولانا کو بڑی تقویت ہوئی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب مدظلہ نے تبلیغی نصاب، فضائل ذکر، فضائل نماز، فضائل حج، فضائل صدقات، فضائل تبلیغ وغیرہ کتب تصنیف فرمائیں۔ جو کہ نکلنے کے لئے زمانے میں تعلیم کے طور پر پڑھی جائیں۔ یہ امر بھی بڑی تقویت کا باعث بنا۔

دوسری جانب مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ عمومی طور پر علمائے کرام سے صرف وعظ وتقریر کی حد تک نہیں' بلکہ عملی طور پر سلف اول کے طرز پر اس کام میں شرکت کے طلبگار رہوئے اور آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جب تک اہلِ علم اس کام کی طرف متوجہ نہ ہوں اور ان کی سرپرستی نہ کریں گے' اس نازک ولطیف کام کی طرف سے اطمینان نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ کو تحریر فرمایا:

''عرصہ سے میرا خیال ہے کہ جب تک علمی طبقہ کے حضرات اشاعتِ دین کے لئے خود جاکر عوام کے دروازوں کو نہ کھٹکھٹائیں اور عوام کی طرح یہ بھی گاؤں گاؤں اور شہر شہر اس کام کے لئے گشت نہ کریں' اس وقت تک یہ کام درجہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا' کیونکہ عوام پر جو اثر اہلِ علم کے عمل وحرکت سے ہوگا وہ ان کی دھواں دھار تقریروں سے نہیں ہوسکتا' اپنے اسلاف کی زندگی سے بھی یہی نمایاں ہے جو کہ آپ حضرات اہلِ علم پر بخوبی روشن ہے''۔

ایک اور گرانی نامے میں تحریر فرمایا:

''جب تک عوام کے سامنے عملی نمونہ نہ ہو' بعض منبروں پر تقریر' عمل پر پڑنے کے لئے کافی نہیں ہوسکتی' اگر تقریر کے بعد عمل پر پڑنے کی تجویز وتشکیل نہ ہو تو عوام کے اندر ڈھٹائی اور بے ادبی کے الفاظ بولنے کی عادت پڑجائے گی''۔

بعض حضرت کو شبہ تھا کہ اہلِ مدارس کا تبلیغ میں اشتغال ان کی علمی ترقی میں حارج ہوگا۔ لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ جس طریق پر علماءِ اہلِ مدارس سے کام لینا چاہتے تھے، وہ دراصل ان کے علوم کی پختگی کا ذریعہ تھا' چنانچہ ایک گرامی نامے میں لکھتے ہیں:

''علم کے فروغ اور ترقی کے بقدر اور علم ہی کے فروغ اور ترقی کے ماتحت دین پاک فروغ اور ترقی

پاسکتا ہے' میری تحریک سے ذرا بھی علم کو ٹھیس پہنچے' یہ میرے لئے خسرانِ عظیم ہے۔ میرا مطلب تبلیغ سے علم کی طرف ترقی کرنے والوں کو ذرا بھی روکنا یا نقصان پہنچانا نہیں ہے' بلکہ اس سے بھی زیادہ ترقیات کی ضرورت ہے اور موجودہ جہاں تک ترقی کر رہے ہیں' یہ بہت ناکافی ہے''۔

مولانا چاہتے تھے کہ طلبہ اپنے اساتذہ کرام کی نگرانی میں اس راہ میں نکل کر مخلوق کو فائدہ پہنچاتے ہوئے اس کام کی مشق کرلیں۔ چنانچہ ایک موقعہ پر تحریر فرمایا:

''کاش تعلیم ہی کے زمانہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی استادوں کی نگرانی میں مشق ہوجایا کرے تو علوم ہمارے لئے نفع مند ہوں، ورنہ افسوس کہ بے کار ہورہے ہیں' ظلمت اور جہل کا کام دے رہے ہیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون''۔

خیر مولانا اس طریق کے ذریعہ عوام اور علماء کی بے گانگی اور ایک دوسرے سے دوری اور وحشت کو ختم کرنا چاہتے تھے' کیونکہ وہ اس چیز کو امت کی بہت بڑی بدقسمتی اور اسلام کے مستقبل کے لئے بہت بڑا خطرہ اور الحاد و بے دینی کا پیش خیمہ سمجھتے تھے۔ ایک طرف تو علمائے کرام کو عوام سے اس دعوت کے ذریعہ قریب ہونے کی اور ان کا درد اپنے دل میں پیدا کرنے کی تاکید فرماتے اور دوسری طرف عوام کو علماء کرام کی مرتبہ شناسی، قدردانی اور ان سے استفادہ کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے' ان کی ملاقات وزیارت کا ثواب بتاتے، ان کی جو باتیں سمجھ میں نہ آتیں' ان کی تاویل اور حسن ظن رکھنے کی عادت ڈالتے، ان کی خدمت میں بھیجتے اور پھر ان سے پوچھتے تھے کہ کس طرح گئے، کیا باتیں ہوئیں؟ پھر ان کی تنقیدوں اور تاثرات کی اصلاح فرماتے۔ بدقسمتی سے اس زمانے میں شہروں میں سیاسی تحریکات اور مقامی اختلافات کی وجہ سے عوام میں علماء کرام کی طرف سے ایک عام بیزاری پیدا ہونے لگی تھی اور بغیر کسی استثناء وتخصیص کے عام حاملینِ دین اور علمائے کرام کے خلاف ایک جذبہ عناد پیدا ہونے لگا تھا۔

مولانا کی ان کوششوں اور حکمت عملی سے کم سے کم اس حلقہ اثر میں یہ بات پیدا ہوگئی کہ سیاسی اختلافات کو عوام دین کے لئے گوارا کرنے لگے اور سیاسی مسلک کے اختلاف کے باوجود علمائے حق کی تعظیم اور قدر و اعتراف کی گنجائش نکل آئی۔ بڑے بڑے تاجر جو علمائے کرام سے برسوں سے متوحش تھے، علماء کی خدمت میں مؤدبانہ حاضر ہونے لگے اور اپنے تبلیغی جلسوں اور تقریبوں میں ادب واحترام کے ساتھ لے جانے لگے''۔

(ماخوذ از مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت)

ادھر علمائے کرام کو ابتداء میں اس کام کی جانب کما حقہ التفات نہ ہوا۔ کیونکہ یہ عام تحریکات کا زمانہ تھا۔ ذہن ودل عام طور پر ان میں مشغول تھے' مولانا کی خاموش اور تعمیری تحریک کی طرف توجہ کرنا اس ہنگامہ خیز زمانہ میں مشکل تھا' پھر سوائے قریبی تعلق رکھنے والوں کے عام اہلِ علم خصوصاً دور افتادہ لوگوں کو کچھ خبر نہ تھی' لفظ تبلیغ جو

اس دعوت کا مشہور عنوان ہے' اس کام کی گہرائی اور اصلیت سمجھنے سے بڑا حجاب بنتا تھا۔ بعض حضرات اسے کلمہ، نماز کی محنت سے زیادہ نہ نہ سمجھتے تھے' بعض حضرات کو دیگر مختلف قسم کے اشکالات پیش آتے، لیکن اس عدمِ التفات پر کسی کو الزام دینا مولانا کے اصول و مسلک کے خلاف تھا' بلکہ غیر علماء اگر اس کی شکایت کرتے تو فرماتے:

''جب تم سے اس کام کے لئے اپنے مشاغل اور دلچسپیاں نہیں چھوڑی جاتیں' جن کے متعلق خود تمہارا خیال ہے کہ وہ دنیاوی ہیں تو یہ حضرات اپنے مشاغل اور دلچسپیاں کیسے چھوڑ سکتے ہیں' جن کے متعلق ان کا یقین ہے اور حق ہے کہ وہ دینی ہیں۔ تم سے اگر دکان نہیں چھوڑی جاتی تو ان سے مسندِ درس چھوڑ دینے کی توقع کیوں کرتے ہو؟ اور اس پر تمہیں ان سے کیوں شکایت ہے؟''

لیکن اس بے التفاتی پر اندر ہی اندر کڑھتے رہتے اور جب اپنے گرد و پیش سوائے سیدھے سادے میواتیوں کے جو مولانا کے تصوف کی اصطلاحات اور الفاظ شرعیہ سے بھی واقف نہ ہوتے' دیکھتے تو زبان حال سے یوں گویا ہوتے:

من مثال لالۂ صحرا ستم — درمیان انجمن تنہا ستم
شمع را تنہا تپیدن سہل نیست — آہ یک پروانۂ من اہل نیست
انتظام غم گسارے تا کجا — جستجوئے راز دارے تا کجا

ایک مقام پر اپنی بے کلی کا حال یوں تحریر فرماتے ہیں:

''میں کونسی قوت سے سمجھاؤں اور کونسی زبان سے بیان کروں اور اس کے علاوہ کونسی قوت سے اپنے دماغ میں بساؤں اور متقین اور بدیہی امر معلوم کو مجہول اور مجہول کو معلوم کیوں کر بناؤں، میرے نزدیک صاف صاف ان فتنوں کے دریائے اٹک اور ان ظلمات کی جمنا کے سیل کو روکنے کی سدّ سکندری سوائے میری والی تحریک میں قوت کے ساتھ اپنی قوت جہد کو اور اندرونی جذبات کو اور ہمت کے ساتھ جملہ مساعی کو متوجہ کر دینے کے علاوہ کوئی صورت نہیں۔ غیب سے اس تحریک کی صورت کا نمایاں ہو جانا ہی صرف اس وباء کا علاج ہے' جیسا کہ عادتِ ازلیہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے یہاں کے پیش کئے ہوئے علاج اور نعمت کا توجہ سے استقبال نہ کرنا کچھ بہتر نہیں ہوا کرتا''۔

(ماخوذ از مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت، ص: ۱۲۶، ۱۵۳)

مولانا کی کڑھن اور دعائیں نتیجہ خیز ثابت ہوئیں اور رفتہ رفتہ علمائے کرام کی آمد شروع ہوگئی۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالعلی مرحوم، حضرت مولانا پیر محمد ہاشم جان مجددی اور ان کے علاوہ بیشتر علمائے کرام نے عملی طور پر اس کام میں حصہ لیا۔

اول الذکر دو حضرات تو متعدد بار جماعتوں کے امیر بن کر اس راستے میں نکلے۔ حضرت مولانا علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ان مشائخ اہلِ بصیرت میں تھے جنہوں نے اس کام کی قلم و زبان، وعظ و تقریر اور دل و جان سے کامل طور سے تائید فرمائی۔ اگرچہ دیگر علمائے کرام کی طرح حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ابتداءً اس کام کی طرف سے اطمینان نہ ہوتا تھا اور اشکالات پیش آتے رہتے تھے، چنانچہ پہلی بار جب مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تشریف لے گئے تو متعدد اشکالات کا تذکرہ فرمایا۔

اس کے باوجود مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا اس عمل سے تعلق بڑھتا ہی چلا گیا، جماعت کے اکابرین مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے، بیرونِ ممالک سے آنے والی جماعتیں اپنے احوال و کارگزاری سناتی رہتیں، اہلِ عرب لازمی طور پر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دعاؤں کے طلبگار رہتے، ان کی زندگی میں انقلاب دیکھ کر مولانا بے حد متاثر ہوتے، تبلیغ والوں کی دعوت پر ان کے اجتماعات میں باوجود مشاغل و معذوریوں کے شرکت فرماتے، صرف ایک بار ٹنڈو الہ یار سندھ کے اجتماع میں شرکت سے اہلیہ محترمہ کی بیماری کی وجہ سے عذر فرمایا اور عاجز سے بخاری شریف کے درس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے تبلیغ والوں کو کہا ہے کہ مجھے بھی اس شرکت سے معذور سمجھا جائے، جس طرح کہ حضور اکرم ﷺ نے جنگ بدر کے موقع پر سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی اہلیہ محترمہ کی بیماری کی وجہ سے معذور قرار دیا تھا''۔

ان اجتماعات میں جب مولانا بیان فرما کر نکلنے کی ترغیب دیتے تو بے شمار لوگ نکلنے کے لئے تیار ہو جاتے، کیونکہ قدرت نے حضرت مولانا کے اخلاص کی وجہ سے آپ کی زبان میں بے انتہاء تاثیر ودیعت فرمائی تھی۔ غرض کہ رفتہ رفتہ اس تعلق میں اضافہ ہوتا گیا، اشکالات دور ہونے لگے اور عاجز نے تین مرتبہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے یہ الفاظ سنے کہ ''تبلیغ جہاد ہے۔'' بلکہ ایک مرتبہ تو مکی مسجد میں خطاب کے دوران اس امر کو حسبِ عادت قوی دلائل کے ذریعہ ثابت کیا، اس کے علاوہ مولانا مرحوم کے تبلیغ سے تعلق کے کچھ دیگر اسباب بھی تھے۔

ایک سبب تو حضرت مولانا مرحوم اور اس کام کے کرنے والوں میں بعض امور میں اشتراک تھا:

۱:..... سب سے بڑی قدرِ مشترک امت کا وہ غم اور کڑھن تھی جو ایک عالمِ حق، داعی الی اللہ کی شایانِ شان ہے، یہ غم کسی لمحے مولانا کو چین نہیں لینے دیتا تھا، اگر کسی جگہ مسلمانوں کی تباہی کا واقعہ سنتے تو بے انتہاء غم و افسوس کا اظہار فرماتے اور یہ درد و تأثر پاس بیٹھنے والوں کو متاثر کئے بغیر نہ رہتا، جس کا اندازہ مولانا کی مجلسوں میں شریک ہونے والے حضرات بخوبی لگا سکتے ہیں۔

۲:..... تبلیغ والوں کی طرح مولانا بھی ریاء و شہرت، نام و نمود کے طلبگار نہ ہوتے تھے۔ جیسا کہ مدرسہ کی

تاریخ سے ظاہر ہے کہ ہر امر میں دوسرے کو مقدم فرماتے، لیکن قانونِ قدرت من تواضع للہ رفعہ اللہ کے مطابق حضرت مولانا ہی کی ذاتِ گرامی نمایاں رہی۔

۳:...... مالی اعانت کے لئے کسی سے سوال کرنا پسند نہ فرماتے تھے۔

۴:...... حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی مدرسہ کی جانب علمائے عارفین کی توجہات کے طلب گار رہتے اور مولائے کریم پر اعتماد کے بعد اسی امر کو مدرسہ کی حقیقی ترقی کا باعث سمجھتے، اس سلسلہ میں حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق قابلِ ذکر ہے، مدرسہ میں آپ کو اہتمام سے دعوت دیتے، ایک موقعہ پر مسجد حرام مکۃ المکرمہ میں مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی سے فرمایا:

''یہ مدرسہ تو حضرت شیخ کا ہے۔ ہم تو ملازم کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔''

حضرت مولانا کا ارشاد اگرچہ تواضعاً تھا، لیکن اس سے کمال تعلق ظاہر ہے۔ اپنے صاحبزادے مولوی محمد بنوری سلمہ اور اہلیہ محترمہ کو حضرت سے بیعت کرایا۔ مولوی محمد صاحب کو تو بارہا حضرت اقدس کی خدمت میں بھیجتے رہے، اپنے خانگی امور تک سے شیخ کو باخبر رکھتے جو کہ حضرت مولانا کے مکاتیب سے ظاہر ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مولانا سے خصوصی محبت ہوگئی تھی، جب کبھی مولانا تشریف لاتے تو اپنے تمام مشاغل چھوڑ کر یاد فرماتے۔

ایک مرتبہ حضرت نے مولانا کو کہلا بھیجا کہ آپ مکی مسجد تشریف نہ لائیں، میں از خود حاضر ہونے والا ہوں، لیکن حضرت مولانا رات کو بعد از مغرب پہنچ گئے اور فرمایا: حضرت! میں آپ سے لڑنے آیا ہوں۔ حضرت شیخ نے اپنے جسم کو پوری حرکت دیتے ہوئے فرمایا۔ لڑو! اس پر مولانا بے اختیار ہنس دیئے۔ اب شیخ نے محبت کی گرمی دکھائی اور فرمایا: آپ یہاں کیوں آئے، جب میں نے یہاں آنے سے منع کر دیا تھا تو پھر کیوں آئے؟ دیکھنے والوں کو کمالِ محبت و عشق کا یہ منظر بے انتہاء محظوظ کر رہا تھا۔

ایک مرتبہ حجاز مقدس میں مدرسہ صولتیہ حضرت اقدس کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ شیخ نے فرمایا: مولانا! آپ نے بتایا بھی نہیں کہ آپ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجازین میں سے ہیں؟ اس پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل ذکر فرمائی اور اتنا روئے کہ دیکھا نہ جاتا تھا۔ حضرت شیخ مدظلہ سے یہ تعلق بھی حضرت مولانا کی تبلیغ سے وابستگی کا ذریعہ بنا۔

۲:...... حضرت مولانا کے تبلیغ سے تعلق کا دوسرا سبب بعض تبلیغی اکابر کا مولانا سے خصوصی تعلق تھا، جن میں امیرِ تبلیغ مولانا محمد یوسف دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سعید احمد خان امیر تبلیغ حجاز مقدس خاص طور پر قابلِ ذکر

ہیں۔مولانا محمد یوسف صاحب جب کبھی کراچی تشریف لاتے' مدرسہ میں اہتمام سے بلاتے' بیان کراتے اور دیر تک علیحدگی میں ان سے دل کی باتیں کرتے' اور فرماتے کہ: میں اس شخص کے بارے میں حیران ہوں کہ باوجود تبلیغی اسفار اور تدریسی مشاغل کے ''امانی الاحبار'' اور ''حیاۃ الصحابہ'' جیسی کتب کیسے تصنیف فرمالیں۔ یہی حال مولانا سعید احمد خان صاحب سے تعلق کا بھی تھا' مدرسہ میں ان کا خطاب بھی اہتمام سے کراتے اور ان کی دعوت پر بذات خود طلباء کو نکلنے کی ترغیب دیتے۔

جب کبھی حجاز مقدس کا سفر ہوتا ان کی دعوت پر جماعت کے مرکز مسجد نور (مدینہ منورہ) ضرور تشریف لے جاتے' خطاب فرماتے اور بہت سے لوگ نکلنے کے لئے تیار ہوجاتے۔ بعض مرتبہ وہاں جاکر خود مولانا پر رقت طاری ہوجاتی' جیسا کہ مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب ناظم تعلیم مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا مسجد نور تشریف لے گئے' صحن مسجد میں اردو زبان میں اور چھت پر مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری اپنی سادہ عربی زبان میں بیان فرمارہے تھے۔ مولانا وہاں بیٹھ گئے اور زار و قطار رونے لگے۔

آخری سفر حجاز میں مولانا پر تبتل کا عالم طاری رہتا تھا' کسی سے ملنا پسند نہ فرماتے' عصر سے عشاء تک روضۂ اقدس پر مراقب رہتے' ایک مرتبہ تراویح کے بعد تشریف فرما تھے کہ مولانا سعید احمد خاں صاحب تشریف لے آئے' فوراً حضرت مولانا پر انبساط کی کیفیت طاری ہوگئی' دیر تک اپنے دل کی باتیں کیں' اپنی بیماری کا تفصیلی حال ذکر فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ: ڈاکٹر حضرات اس مرض کو خطرناک بتارہے ہیں۔ ایک مرتبہ غالباً یہ بھی فرمایا کہ: تبلیغ کی حقانیت کا اندازہ مولانا سعید احمد خاں صاحب کو دیکھ کر ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ: کسی شخص کی مقبولیت عنداللہ کا اندازہ اس کے کام کے آثار سے کیا جاسکتا ہے' جیسا کہ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت ان کے کام سے ظاہر ہے۔ ایک موقعہ پر حدیث ''لاتزال طائفة من امتی منصورین'' الخ کا مصداق مدلل طور پر اس جماعت کو قرار دیا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے تبلیغ سے انتہائی تعلق کا اندازہ مولانا کی مندرجہ ذیل تحریر سے لگایا جاسکتا ہے' ایک مرتبہ بصائر وعبر کے عنوان کے تحت تحریر فرمایا:

''عرصہ دراز سے امت محمدیہ سے ایک اہم تقصیر ہورہی ہے اور خیر القرون کے بعد سے ہی اس تقصیر کی بنیاد پڑگئی ہے اور دعوت الی اللہ میں قابل حسرت کوتاہی ہورہی ہے' دعوت وہدایت دینِ اسلام کا اساسی اصول ہے' جب دعوت ناکام ہو اور اس کی اشاعت کے راستے میں روڑے اٹکائے جائیں تو جہاد وقتال کی نوبت آتی ہے' قرون اولیٰ کے سلف صالحین گفتار سے زیادہ کردار سے یہ دعوت پیش کرتے رہے' قوتِ بیان سے پہلے اخلاقی وایمانی قوت سے دعوت دیتے رہے' ہر صحابی سر سے پیر تک اسلامی اخوت، اسلامی مؤاسات اور اساسی

اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھا‘ دنیا میں اسلام‘ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دینی حسن و جمال اور حسنِ اخلاق کے کمال سے پھیلا ہے‘ تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ صاحبِ انصاف اور صاحبِ عقل و بصیرت مؤرخ اس سے بے خبر نہیں۔

اگر مسلمان اس اہم فریضہ میں کوتاہی نہ کرتے تو شاید تمام عالم مسلمان ہوتا‘ تکوینی مصالح تو حق تعالیٰ ہی جانتا ہے‘ تاہم دنیا کے مزاج میں کفر و اسلام کے امتزاج سے انکار نہیں کیا جاسکتا‘ لیکن جہاں تک عقل اور اسلامی اصولوں کا تقاضا ہے وہ یہی ہے جو کچھ عرض کیا جارہا ہے‘ چنانچہ اپنے اثرات کے اعتبار سے دیرپا اسلام وہی رہا جو دعوت و ارشاد کے راستوں سے پھیلا ہے‘ اسلامی فتوحات کے ادوار میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میمون میں جو ممالک اسلام کے زیرِ نگیں آئے‘ وہ آج تک اسلام پر قائم ہیں اور بعد میں سلاطینِ اسلام کی تلوار سے جو مسلمان ہوئے وہ یکے بعد دیگرے اسلام سے نکلتے جارہے ہیں۔ نیز یہ فرق بھی واضح ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مفتوحہ ممالک میں عقائد کی پختگی آج بھی باقی ہے‘ اگرچہ اعمال و اخلاق میں یورپ کی نقالی کا رنگ غالب ہے‘ اس کے برخلاف جو ممالک سلاطینِ اسلام اور ملوکِ اسلام کے زورِ تلوار سے فتح ہوئے‘ ان میں عقائد کی خامی واضح ہے‘ اگر کہیں اعمال ظاہری میں بظاہر پختگی بھی نظر آئے تو کریدنے کے بعد معلوم ہوگا کہ قلبی عقیدہ اتنا کھوکھلا ہوچکا ہے کہ ایک دھکے سے ختم ہوجاتا ہے۔ دراصل ابتدائی دور کی فتوحات میں اخلاص نمایاں تھا، انہوں نے اگر جہاد بھی کیا تو وہ بھی صرف اس غرض سے تھا: لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا۔ تاکہ صرف حق تعالیٰ کا دین غالب ہو‘ اس لئے ان فتوحات کی برکات سے مسلمانوں کے عقائد میں پختگی پائی جاتی ہے اور جو ملک بعد میں فتح ہوئے‘ ان میں اخلاص کا وہ درجہ نہ تھا‘ بلکہ ملوکیت اور شان و شوکت کی آمیزش تھی‘ اس لئے وہ دینی تصلب حاصل نہ ہوسکا‘ کہنا یہ تھا کہ دعوت و ارشاد میں امت مقصر رہی ہے اور آج جو نقشہ اسلام اور مسلمانوں کا ہے‘ اسی تقصیر کا نتیجہ ہے۔

حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر جنہوں نے مسلمانوں کو بھولا سبق یاد دلایا اور اس سبق دیا دلانے میں ہی فنا ہوگئے‘ اگر کوئی فنافی اللہ‘ فنافی الرسول اور فنافی الشیخ کے مظاہر کو سمجھنا چاہتا ہے تو حضرت مرحوم کو دیکھ لے کہ کس طرح فنافی التبلیغ ہوگئے تھے۔ اٹھتے بیٹھے، سوتے جاگتے بس یہی فکر دامن گیر تھی‘ تمام زندگی اور تمام افکار و انفاس بس اسی مقصد کے لئے وقف تھے حق تعالیٰ نے ان کی جاں فشانی و قربانی، ایثار و اخلاص اور جد و جہد کو قبول فرمایا اور چاردانگ عالم میں اس کے ثمرات و برکات پھیل گئے۔

شاید روئے زمین کا کوئی خطہ ایسا باقی نہ رہا ہوگا جہاں ان کی جماعت کے قدم نہ پہنچے ہوں‘ ماسکو، فن لینڈ

واسپین سے لے کر چین و جاپان تک ان قافلوں کی دعوت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقِ دعوت سے مشابہت رکھتی ہے۔ اس کا انتظار نہیں کرتے کہ لوگ خود آئیں گے اور دین دیکھیں گے، بلکہ گلی کوچوں اور بازاروں میں چل پھر کر اور گھر گھر لوگوں کے پاس پہنچ کر دعوت دی جاتی ہے اور زبان سے، حسن اخلاق سے اور اپنے طرزِ عمل سے دعوت دی جاتی ہے' سر سے پیر تک اسلامی مجسمہ بن کر اسلام کا عملی نمونہ پیش کیا جاتا ہے' اس لئے اس کا اثر یقینی ہوتا ہے۔

آج امت تقریر و تحریر کی محتاج نہیں، یہ بہت کچھ ہو چکا ہے' ضرورت' عملی نمونہ پیش کرنے کی ہے' فصاحت و بلاغت کا دریا امت بہا چکی ہے' لیکن آج صرف سادہ عملی دعوت کی ضرورت ہے۔ الحمدللہ! آج تبلیغی جماعت اس پر عمل پیرا ہے۔ بہر حال طبیب خود مریض کے پاس جاتا ہے' اس کا انتظار نہیں کرتا کہ مریض طبیب کے پاس پہنچے تو علاج ہو۔ اگر یہ طریقہ عام ہو جائے اور امت کی اکثریت یا کم زکم بڑی کثرت اس مقصد کو شروع کر دے تو توقع ہو سکتی ہے کہ امت کو نجات مل جائے اور بیڑا پار ہو جائے''۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

''لندن سے برادر محترم مولانا مفتی عبدالباقی صاحب کا ایک مکتوب گرامی آیا تھا' جس میں بین الاقوامی اجتماع (لندن) کا ایک منظر پیش کیا گیا ہے' اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ نامناسب نہ ہوگا اگر اس کا اقتباس پیش کروں، وہ لکھتے ہیں:

''بین الاقوامی اجتماع ختم ہو چکا ہے' تثلیث کے اس ملک میں توحید کی آواز عجیب منظر پیش کر رہی تھی' ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا قرون اولیٰ کے بچے بچائے لوگ (جن کی زندگیوں میں اسلام کی جھلک نظر آ رہی تھی) جمع ہوئے ہیں' ان میں لمبی لمبی داڑھی والے، لمبے لمبے کرتوں والے، پاجاموں والے، شلواروں والے، بڑی بڑی پگڑیوں والے تھے، جنہیں دیکھ کر ''گورے لوگ'' محوحیرت بھی تھے اور محو تماشا بھی' جب ہندوستان کا وفد لندن کے ہوائی اڈے ''ہیتھرو'' بلڈنگ نمبر ۳ میں تشریف لایا تو قانونی کارروائی سے فراغت کے بعد سب سے پہلے امیر التبلیغ حضرت مولانا سید انعام الحسن صاحب باہر تشریف لائے۔ نہ زندہ باد یا مردہ باد کے نعرے، نہ ہنگامہ، نہ شور و شر کچھ بھی نہیں تھا' بلکہ انتہائی وقار اور خاموشی کے ساتھ، لبوں پر تبسم، چہروں پر طلاقت، اطمینان اور سکون کی فضاء میں معانقے ہوئے' مصافحے ہوئے اور پھر دعا شروع ہوئی' جس میں آہیں، سسکیاں اور پھر آخر میں دھاڑیں مار کر رونے کی آوازیں بلند ہوئیں' تثلیث کے پرستار نیم عریاں لباس میں کیمرے تان کر کھڑے ہو کر تماشا دکھا رہے تھے' ان کو فوٹو اتارنے سے منع کیا گیا' تاہم چپکے چپکے سے وہ کیمروں کو ہلاتے رہے' سرتاپا حیرت کے مجسمے بنے ہوئے تھے' چونکہ لندن ایئرپورٹ ہیتھرو پر ایک منٹ میں جہاز اترتا ہے اور قریباً دوسرے منٹ میں

اڑتا ہے‘ اس لئے مسافروں کا تانتا بندھا رہتا ہے‘ مسافر آتے جاتے تھوڑی دیر کے لئے ضرور رکتے‘ اس لئے منظر ہی ایسا تھا کہ ہر ایک کو دعوت نظارہ دے رہا تھا۔

۲:...... یہ مجمع مرکز تبلیغ لندن گیا اور پھر دوسرے دن اجتماع گاہ شفیلڈ میں پہنچا‘ تین دن میں شفیلڈ میں بڑی رونق رہی، خاص طور پر خیموں میں اور خیموں سے باہر میدان میں نمازوں کے لئے صفیں درست ہوجاتی تھیں تو اس منظر کو دیکھنے کے لئے محل اجتماع سے باہر فٹ پاتھوں پر انگریز مرد اور انگریز عورتیں کافی تعداد میں کھڑے ہوکر تماشا کرنے لگتے‘ یہ روح پرور منظر ان پر بڑا اثر انداز ہورہا تھا۔

اجتماع میں قریباً اڑتیس ملکوں کے وفود شامل ہوئے‘ جو آسٹریلیا کے علاوہ باقی چار براعظموں کے مختلف بولی بولنے والے، مختلف نسل و رنگ کے لوگ تھے‘ کینیڈا، امریکہ، افریقہ، ایشیا، یورپ اور عرب و عجم اسلام کے عالمگیر دین ہونے کا نقشہ نظر آرہا تھا‘ قریباً بارہ سو آدمیوں نے چار مہینوں کے چلوں اور کم وبیش وقت لگانے، دور اور دیر کے لئے نکلنے کے لئے اپنے اپنے نام پیش کئے‘ بائیس جماعتیں بیرون ممالک کے لئے تیار ہوگئیں اور پینتالیس اندرون ملک کے لئے۔ الخ‘‘۔ (بینات، ماہ شوال ۱۳۹۲ھ)

ایک دوسرے موقعہ پر افریقہ سے واپسی پر بصائر وعبر کے عنوان کے تحت احوال سفر بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

’’ڈنڈی میں جو ٹرانسوال اور نیٹال کے وسط میں ایک اہم شہر ہے‘ تبلیغی جماعت کا اجتماع تھا اور پاکستان سے چھ ہفتوں کے لئے ایک جماعت مولانا مفتی زین العابدین صاحب کی امارت میں پہنچی ہوئی تھی‘ اس تبلیغی اجتماع میں بھی شرکت کی اور اعلاء کلمۃ اللہ، دعوت الی اللہ اور اصلاح نفس کے موضوع پر ایک جامع بیان کی توفیق نصیب ہوئی‘ جس میں بتلایا کہ تبلیغی جماعت والی ایمانی دعوت ان تینوں خصوصیات کی حامل ہے، چونکہ کیپ ٹاؤن کی ایک بڑی جماعت اس اجتماع میں بارہ سو میل سے شرکت کے لئے آئی تھی اور وہ حضرات اردو نہیں سمجھ سکتے تھے‘ اس لئے برادرم مولانا محمد قاسم صاحب کو انگریزی میں ساتھ ساتھ ترجمہ کرنا پڑا۔ الحمد للہ! ساؤتھ افریقہ والے ۱۵۰ اشخاص اس تبلیغ میں وقت دینے کے لئے آمادہ ہوئے‘ دوران قیام علماء ٹرانسوال کے نام ایک دعوت نامہ جاری کیا گیا‘ تقریباً ایک سو علمائے کرام ڈیڑھ سو میل سے تشریف لائے‘ ان کے سامنے دینی دعوت کا پروگرام رکھا گیا‘ مقامی حالات کے تقاضے کے مطابق امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اہم نکات کی وضاحت کی گئی اور اس کے لئے وقت دینے اور ماہانہ اجتماعات میں شرکت کا مطالبہ کیا گیا اور توقع ہوگئی کہ دینی دعوت کا سلسلہ ٹرانسوال میں جاری ہوجائے گا۔ الغرض اس طرح کچھ دینی واصلاحی کام کی طرف توجہ کی گئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس کو نافع ومثمر بنائے‘‘۔ (ماہنامہ بینات، ربیع الثانی، ج ۱۲، ۱۳۸۸ھ)

حضراتِ ناظرین نے مندرجہ بالا سطور سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ واسعۃ کی تبلیغ سے وابستگی کا اندازہ لگایا ہوگا، کاش امت کا ہر طبقہ اس دعوت کو اپنالے اور عوام الناس کی طرح علماء وطلباء کما حقہ اس طرف متوجہ ہوکر اس دعوت ''علی منہاج النبوۃ'' کو لے کر اس راستے میں نکل کھڑے ہوں' تاکہ امت کی اصلاح ہو اور اس کے نتیجہ میں غیر مسلم اسلام کے حقیقی ثمرات اور حقیقی زندگی سے متاثر ہوکر اسلام میں داخل ہونے کے سوا کوئی راستہ اپنی نجات کا نہ پائیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

آخر میں مدرسہ کے اہلِ حل وعقد حضرات سے بھی امید ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طرح وہ بھی اس کام کی جانب کما حقہ متوجہ رہیں گے اور طلباء کو اس میں نکلنے کی ترغیب دیتے رہیں گے' جیسا کہ دیگر امور کے بارے میں انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ مدرسہ کو ہر اعتبار سے حضرت مولانا نوراللہ مرقدہ ہی کے چلائے ہوئے خطوط پر باقی رکھا جائے اور یہ امر یقیناً حضرت مولانا کی روح کی تسکین کا باعث ہوگا:

ومامات من کانت بقایاہ مثلھم
شباب تسامٰی للعلا وکھول

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین' وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ صفوۃ البریۃ خاتم الانبیآء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

''ہر مملکت کی نوعیت اس کے دستور اور قوانین سے پہچانی جاتی ہے۔ جس طرح کمیونسٹ حکومت کا نظام اس کے دستور سے معلوم ہوگا اور جمہوری مملکت اس کے آئین سے معلوم ہوگی۔ اس طرح ایک اسلامی مملکت کی شناخت کی علامت اسلامی دستور ہے۔ اگر کسی اسلامی مملکت میں غیر اسلامی اقلیت موجود ہے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ان کو غیر مسلم کہنا جرم ہوگا۔ کوئی غیر مسلم صرف اسلامی مملکت میں رہے تو مسلمان نہیں بنے گا، کافر کافر رہے گا اور مسلمان مسلمان۔ اگر کافر موجود ہے تو اس کو کافر کہنا پڑے گا۔ اور کوئی شخص اسلامی قوانین سے بھی کسی قانون کا انکار کرے گا تو وہ یقیناً کافر اور غیر مسلم قرار دیا جائے گا۔''

(بصائر وعبر۔ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ)